جلد۱۰ شمارہ۱۶، ۲۰۲۳

Article

PHILOSOPHICAL AND ARTISTIC ANALYSIS OF "BHAID BHARI AWAZ" BY IRFAN SADDIQUI

عرفان صدیقی کی کتاب "بھید بھری آواز" کا فکری اور فنی تجزیہ

Riffat Kabir Khan *[1], Dr. Rukhsana Bibi[2]

[1] PhD Scholar, Urdu Department Government College Women University, Faisalabad

[2] Assistant Professor, Urdu department Government College Women University Faisalabad

*Correspondence: rukhsanabaloch@gcwuf.edu.pk

[1] رفعت کبیر خان، ڈاکٹر رخسانہ بی بی

[1] پی ایچ ڈی، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد، [2] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract:

Drama that is transmitted through radio listened through ears and exhibited through high, low pitches of sound is Radio Drama. Irfan Sadiqui's book "Bhaid Bhari Awaz" encapsulates moral and social aspects of society, through a mysterious sound. It fabricates deepest emotions and darkest realities of human development along with time. It also portrays love for nation and culture.All the stories are crafted with human emotions with a touch of fantasy, melancholy, lurch, pride, exile, redemption and salvation.

Keywords: Supernatural Elements, Patriotism, Pride, Diaspora, Aloofness, Human Lurch, Redemption

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
Doi:
Received:01-05-2023
Accepted:
Online:

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

عرفان صدیقی کی کتاب "بھید بھری آواز" ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ نشری ڈرامہ وہ ہوتا ہے جو ریڈیو سے نشر ہوتا ہے کانوں سے سنا جاتا ہے ایسا لکھنے میں خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ڈرامے میں صرف ان واقعات کو لیا جائے جو آواز کے ذریعے پیش کئے جا سکیں۔ نشری ڈرامے کی پیشکش میں کامیابی کا انحصار پروڈیوسر کی صلاحیت پر ہوتا ہے اسے ریڈیائی ڈرامہ کہتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ اردو ڈرامے کی ترقی میں ریڈیو اور اب ٹیلی ویژن کا حصہ سب سے زیادہ ہے تو بے جا نہ ہو گا اردو کے نوے فیصد ڈرامے نشریاتی ضرورتوں کے تحت لکھے گئے ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں ریڈیو کے لیے ہر سال تقریبا دو ہزار ڈرامے لکھے جاتے ہیں ڈرامے کے بارے میں رفیع الدین ہاشمی یوں لکھتے ہیں:

> "ڈرامے کا مطالعہ کرتے ہوئے ڈرامائی مفاہمت کو سمجھنا ضروری ہے یہ ڈرامے کی ایک مخصوص اصطلاح ہے جس طرح داستان میں مافوق الفطرت عناصر یعنی جن دیو اور وغیرہ کی کرشمہ سازیاں داستانوں کا ناگزیر حصہ ہوتی ہیں ۔۔۔ اسی طرح ڈرامے میں ڈرامہ نگار بعض غیر حقیقی اور خلاف فطرت چیزیں پیش کرتا ہے "(۱)

" بھید بھری آواز" کے ڈراموں کا اگر فکری اور فنی تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ مصنف کے ڈراموں کے موضوعات میں بڑی جدت تنوع اور تجسس پایا جاتا ہے ہمارے معاشرے اور تہذیب کے تقاضوں کے پیش نظر زندگی کے موضوعات کو شائستہ اور سلجھے ہوئے انداز میں بیان کیا ہے عرفان صدیقی کے ڈرامے غیر حقیقی اور خلاف فطرت چیزیں پیش کرتے ہیں سامعین ڈرامائی تقاضوں کے پیش نظر اور فنی مفاہمت کے تحت ان کو گوارہ کر لیتے ہیں عرفان صدیقی کے ڈرامے بیانیہ روایت سے منسلک نظر آتے ہیں اور موضوعات کے اعتبار سے بھی ہماری زندگی کے مسائل کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں یہ حقیقت پسندانہ خیالات انہوں نے اپنے ڈراموں میں بہت سادہ عام فہم اسلوب کے ساتھ بڑی جرات بہادری امانت داری اور غیر جانبداری کے ساتھ پیش کئے ہیں "بھید بھری آواز" کے ڈراموں میں عرفان صدیقی نے ریڈیو ڈرامے کی تکنیک کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے ڈراموں میں اس تکنیک کے پیش نظر مختلف تقاضوں اور پہلوؤں کی نزاکتوں کا شروع سے لے کر آخر تک خیال رکھا ہے وہ اپنی ذمہ داریوں سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سبکدوش ہوئے ہیں عرفان صدیقی کے ڈراموں میں حقیقت نگاری کا اپنا رنگ و روپ پایا جاتا ہے عام طور پر ہوتا یوں ہے کہ ایک ڈرامہ نگار نے جب حقیقت کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو وہ مختلف علامات تشبیہات اور استعارات کا سہارا لیتے ہیں مرزا ادیب لکھتے ہیں۔

> " عرفان صدیقی کے ڈراموں میں حقیقت کا اپنا روپ ہے عام طور پر ہوتا یوں ہے کہ ڈرامہ نگار جب حقیقت کا اظہار کرتا ہے تو ایک روشن لکیر کا سہارا لیتا ہے مگر عرفان کہ ہاں اندھیروں میں روشنی کی لکیر نہیں ابھرتی_ وہ ایک دیا سا جلا دیتے ہیں جس کی زرد لو فضا کو زیادہ گہرا کر دیتی ہے یہ لو روشن لکیر کے مقابلے میں زیادہ موثر ثابت ہوتی ہے انہوں نے جابجا فلش بیک سے مدد لی ہے ایک واقعہ کچھ دیر سفر کرنے کے بعد اچانک اپنا رخ ماضی کی طرف پھیر لیتا ہے_ ان ڈراموں کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ مصنف نے نیکی اور بدی کے تصادم کو مرحلہ وار دکھانے کی کوشش کی ہے مرحلے یکے بعد دیگرے چلے جاتے ہیں اور تصادم ان کے ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے "(۲)

عرفان صدیقی کے ڈراموں میں حیرت اور تجسس کا عنصر پایا جاتا ہے جو ان کے ڈراموں کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتا ہے یہاں وہ ہمیں ایک تمثیل نگار کی صورت میں علامتی انداز میں بہت سی باتیں سمجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں مثلاً "بھید بھری آواز" میں سنہری کبوتر موتی "پلپار" میں بھیڑیا، یہ سب ظلم و جبر خود غرضی تشدد حرص اور لالچ کی علامتیں ہیں کرداری علامات کے ساتھ ساتھ تمثال تشبیہات اور استعارات کا سہارا لیتے نظر اتے ہیں۔

عرفان صدیقی کے بارے میں شمع خالد یوں رقمطراز ہیں:

> "ادب کی دنیا میں ڈرامہ نگاری ایک مشکل صنف ہے۔ اس لیے بہت کم ادیبوں نے اس دشت کی سیاحی کی ہے۔ ایسے ادیب انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جنہوں نے اس میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ ریڈیو کا ڈرامہ اس لحاظ سے مشکل بھی ہے اور منفرد بھی کہ یہاں آوازوں کے اتار چڑھاؤ موسیقی اور صوتی اثرات کے کمال ہی سننے والوں کو جکڑ کر رکھتا ہے۔ عرفان صدیقی نے اس مشکل میدان میں نہ صرف قدم رکھا ہے بلکہ اس میدان میں اپنا ایک نمایاں اور منفرد مقام بنالیا ہے وہ کہانی سے زیادہ اہمیت کرداروں کو دیتے ہیں یہ ایسے کردار ہیں جو ہمارے ارد گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ کردار جب عرفان صدیقی کے ڈرامے میں وارد ہوتے ہیں تو محض تحیر سے ان کرداروں کو سنتا ہے شاید اس لیے انہوں نے اپنی کتاب کا نام "بھید بھری آواز" رکھا ہے عرفان صدیقی کے ڈراموں کی خاص بات یہ ہے کہ ان کی لائنیں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں۔ کہ جیسے وہ ڈائیلاگ نہ ہوں اشعار ہوں جن میں بولا گیا ہر حرف اتنا ضروری اور اہم ہوتا ہے۔ کہ ایک حرف کو ہٹانے سے مکالمے کی صورت تبدیل ہو جاتی ہے سننے والا ان مکالموں کے اتار چڑھاؤ میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ وہ کہانی کے ساتھ لاشعوری طور پر چلنا شروع کر دیتا ہے اور یہی ان کے فن کی معراج ہے کہ وہ سننے والے کو ایسے سحر میں جکڑ لیتے ہیں کہ وہ آغاز سے انجام تک اس بھید بھری آواز کو سنتے ہوئے اس کی سحر انگیزی میں عرفان صدیقی کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہتا ہے۔ "(۳)

عرفان صدیقی نے حقیقت پسندانہ کہانیوں کے امکانات کو دوبارہ زندہ کر کے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے "بھید بھری آواز" کے ڈراموں کا فکر و نظر کی باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے یہ تاثر واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ "بھید بھری آواز" کے ڈراموں میں نہ صرف موضوعات بلکہ طرز اسلوب، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اور مجموعی تاثر ڈرامائی انجام قاری پر مسحور کن احساسات و جذبات کے ناقابل فراموش نشانات ثبت کر جاتے ہیں۔ "بھید بھری آواز" میں ڈراموں کے عنوانات اور موضوعات منفرد بہت زیادہ دلچسپ ہیں۔ جو قاری کو پڑھنے کی طرف مائل کرتے ہیں۔

"بھید بھری آواز" کے ڈرامے ہماری روزمرہ زندگی سے ماخوذ ہیں۔ ان ڈراموں کا مواد ہماری روزمرہ زندگی سے ہی اخذ کیا گیا ہے یہ متوسط طبقہ کی معاشرتی اور گھریلو زندگی کے عکاس ہیں۔ ان ڈراموں کے کردار ہمارے ارد گرد اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کردار ہیں عرفان صدیقی کے ڈراموں میں زندگی کی رنگا رنگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی ناانصافیوں ظلم جبر اور سیاسی استحصال کے شکار کردار بھی نظر

آتے ہیں ڈراموں کے کردار عکاسی کرتے ہیں ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ناانصافی جبر اور ظلم ناقابل برداشت حد تک ہونے والی ناانصافی اور کڑوی حقیقتوں کو جن کو بیان کرتے وقت اکثر ادیب نظر چُرا کر گزر جاتے ہیں۔ عرفان صدیقی کے ڈراموں کے موضوعات ہمارے معاشرے کے عام موضوعات ہیں جن میں سماجی، نفسیاتی، معاشی، معاشرتی حوالے سے مظلوم طبقے کو موضوع بنایا گیا ہے۔

یہ کردار ہمارے اور آپ کے گلی محلوں میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ مجیب الرحمن شامی عرفان صدیقی کے متعلق لکھتے ہیں:

> "عرفان صدیقی کی تحریروں میں ناصرف یہ کہ سنجیدگی ہے۔ بلکہ تجربہ اور مشاہدہ بھی شامل ہے ان کی تحریریں حقیقت سے بے حد قریب ہوتی ہیں۔ اور ان کے ڈراموں کے کردار ہم جیسے ہوتے ہیں۔"(۴)

عرفان صدیقی نے کرداروں کا نہ صرف نفسیاتی طور پر تجزیہ کیا ہے۔ بلکہ ماہر نباض کی طرح مہارت کے ساتھ ذہنی کشمکش کے علاوہ جذبات واحساسات کے اتار چڑھاؤ کی عکاسی کی ہے۔ کرداروں کا لب و لہجہ انداز گفتگو الفاظ کا چناؤ کردار کی شخصیت کے عین مطابق جیسا کہ مولوی ڈپٹی نذیر احمد اپنے کرداروں کی شخصیت کے مطابق مکالمے لکھا کرتے تھے۔ عرفان صدیقی کی تحریروں میں ترقی پسند تحریک کے اثرات نظر آتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے زور قلم سے طبقاتی کشمکش اور سماجی معاشرتی مسائل کو اپنے ڈراموں کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے عوامی سطح پر طبقاتی کشمکش کے منفی اور انسانیت سوز پہلوؤں کو ڈراموں کے ذریعے عوام الناس تک پہنچایا کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے طبقے کے ایسے لوگوں کو موضوع بنایا ہے۔ جو عرصہ دراز سے امرا کے ہاتھوں غربت لاچاری بے بسی کے ہاتھوں پائمال ہو رہے ہیں۔ ظالمانہ اقدام کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ عرفان صدیقی کے ڈرامے حقیقتاً انسانیت اورانسانی زندگی کے عکاس ہیں معاشرے میں درپیش مسائل کو عوامی سطح پر حل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ تاکہ معاشرے کا ماحول خوشگوار ہو سکے عرفان صدیقی ستر کی دہائی میں ابھر کر سامنے آنے والے نمایاں ڈرامہ نگاروں میں سے ایک ہیں ان کے ڈرامے نئے ذہنی رجحانات کے حامل ڈرامے کہلاتے ہیں۔ ان کے ڈراموں کے کردار سیاسی معاشرتی جبر و استحصال کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ڈراموں میں کہیں کہیں یکسانیت بھی نظر آتی ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہم عرفان صدیقی کے ڈراموں کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور تنقید میں وہ اپنی الگ پہچان اور نمایاں مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

عابد حسین عرفان صدیقی کے ڈراموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "عرفان صدیقی کے ڈراموں کے نمایاں پہلوؤں میں حقیقت نگاری ایک اہم عنصر ہے انہوں نے اپنے ڈراموں کی بنیاد کسی نہ کسی واقعہ پر رکھی ہے۔ اور واقعہ بھی ایسا جو عقل کو حیرانی کی غلام گردش میں لے جا کر چھوڑ دینے والا نہیں ہوتا بلکہ ایسا لگتا ہے کہ ہماری زندگی میں یہی کچھ ہوتا ہے اس حوالے سے ان کے ڈرامے "خاموش آوازیں" "ریشم کے پیوند" اور "ایک تھا بادشاہ" انتخاب کے تردود کے بغیر مثال بنائے جاسکتے ہیں "(۵)

"بھید بھری آواز" کے ڈراموں کے کردار حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ کردار زندگی کے جیتے جاگتے ہنستے کھیلتے خواہشات کی تکمیل کے لیے قوت ارادی سے مالامال کردار ہیں۔ ان کے کردار اچھائی اور برائی میں تمیز رکھنے والے کردار ہیں کچھ کردار ایسے بھی ہیں جو ہوس اور لالچ میں حد سے بڑھنے والے ہیں۔ لیکن زیادہ تر کردار اچھائی کے حامل ہیں کسی بھی کامیاب ڈرامے کی یہی پہچان ہے کہ اس کے کردار ہمیشہ برائی سے اچھائی کی طرف جاتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں ایک شدید قسم کا ردعمل پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کی تہہ میں چھپا ہوا مصنف کا ڈر اور خوف بھی نمایاں نظر آتا ہے ان کے مکالمے نثر کے باوجود شاعرانہ انداز لیے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ڈراموں کے مناظر پوری جزئیات کے ساتھ پیش کیے ہیں۔

"خاموش آوازیں" کا ایک منظر ملاحظہ کیجئے:

"بوڑھا (تھکی ہاری مریل سی آواز) کوئی نہیں موتی۔۔۔۔کوئی نہیں۔۔۔(کتا پھر بھونکتا ہے) پگلے کون آئے گا اس ویرانے میں۔۔ چل۔۔۔ چل۔۔۔ اٹھ۔۔۔ ادھر جا کے بیٹھ۔۔۔ چل چل۔۔۔ ہاں اپنا گوشہ نہ چھوڑا کر۔۔۔(دروازے پر پھر دستک سنائی دیتی ہے) کون ہے بھائی۔۔ آتا ہوں۔۔ ۔ آتا ہوں (خود کلامی) لگتا ہے_ تیل بھی ختم ہو رہا ہے لالٹین میں___ (قدموں کی آہٹ دروازہ کھلنے کی آواز) _____ کون ہے بھائی___ (ہوا اور بارش کی آواز تیز ہو جاتی ہے) ___ (خود کلامی)کوئی بھی تو نہیں___ (دروازہ بند کرتا ہے) کس نے آنا ہے یہاں قدموں کی آہٹ سنتا ہوں_ پر ہوتا___ کوئی نہیں موتی ایسے ہی بارش سے بھیگا ہوا کوئی جھونکا دستک دے کر گزر گیا ہے (کھسیانی سی ہنسی ہنستا ہے) پتا نہیں کیا جادو ہے دروازے کو تھپکیاں دینے والے ہاتھ کہیں دور چلے جاتے ہیں_ کھڑکیوں کے شیشے چہروں کے عکس کو ترس جاتے ہیں_ (ٹھنڈی آہ بھر کر) لیکن دستکیں ختم ہونے میں نہیں آتیں زہر گھولتی ہیں ہر سانس میں (کتا بھونکتا ہے) سو جا_ سو جا اب__ بہت رات ہو چکی ہے__ ہاں__ سو جا__ شاباش "(۲)

"پلپار" میں دینو کہتا ہے:

"دینو__ (خوفناک قہقہ لگاتا ہے) آہا_ آ گیا میرا یار_ آ_ میری جان... میں تو کب سے راہ دیکھ رہا ہوں تیری (قہقہ) اس بستی کے دو ہی بے تاج بادشاہ ہیں ایک تو__ اور ایک میں۔۔۔

(ہنستا ہے)

(بھیڑیے کی آواز بستی کی گلیوں میں گونج رہی ہے)

جنت__ (ڈری ہوئی) وہ__ وہ۔۔ پھر آ گیا ہے بھیڑیا

دینو___ ہاں.. پھر آ گیا ہے۔۔ کل پھر، بکری ہو گی میری دکان کی۔۔(ہنستا ہے) پیسہ آئے گا پیسہ۔ ۔۔

جنت ___ بستی کے جانوروں کا خون اس بھیڑیے کے منہ لگ گیا ہے۔۔۔ ہر دوسرے تیسرے دن
چلا آتا ہے ادھر۔۔۔ اور بھی تو گاؤں ہیں؟
دینو ___ ہر خون کی اپنی اپنی لذت ہوتی ہے جنتے۔۔۔
جو مزہ اس بستی کے لہو میں ہے وُہ اسے اور کہاں مل سکتا ہے
جنت (تھوڑی ناراض ہو کر) پر، تو کیوں خوش ہوتا ہے.... تیری کچھ نہیں لگتی یہ بستی؟
دینو کیوں نہیں لگتی..... میرا سب کچھ اس بستی کے دم سے ہے... یہ بستی نہ ہو تو میری دکان کیسے
چلے؟ ___ (ہنس کر) لوہے کی تاریں کون خریدے گا کانٹوں والی
. . . جنت پتہ نہیں آج کس کا باڑہ توڑے گا یہ موذی ___
دینو کسی کے باڑے میں تو گھسے گا نا۔۔ صبح پتہ چل جائے گا جب وہ آئے گا کانٹوں والی تار خریدنے۔
۔پلپار دینے کے لئے"(۷)

"بھید بھری آواز" کے ڈراموں کے موضوعات ہمارے ارد گرد معاشرے میں پھیلے ہوئے موضوعات ہیں۔ جن کو عام شخص نظر انداز کرتا ہے۔ عرفان صدیقی نے ان چھوٹے چھوٹے واقعات کو ذہن میں رکھ کر ڈراموں کی صورت میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے ڈراموں کے موضوعات تنوع لیے ہوئے ہیں۔ ان کے موضوعات معاشرتی معاشی سیاسی اور وطن کی محبت سے لبریز، حسن و عشق کی داستان کو بھی بیان کرتے ہیں۔ ان کے ڈراموں میں انسانوں کے درمیان پیدا ہونے والی منافقت کے ساتھ ساتھ اندر کی چھپی ہوئی کم ظرفی نفرت خود غرضی کو بھی پیش کیا ہے عرفان صدیقی کے ڈرامے حقیقت پسندانہ سوچ پر مبنی ہیں۔ ان کی گہری سوچ و فکر والے خیالات ہی ان کے ڈراموں کو منفرد اور نمایاں حیثیت عطا کرتے ہیں۔ عرفان صدیقی اپنے ڈراموں میں ناقابل تردید سچائیوں کو بیان کرتے ہیں اور ڈراموں کے ناموں سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ ڈرامے کس نوعیت کے ہیں۔ ان کی تکنیک بھی دوسرے ڑراموں سے کچھ مختلف ہے۔ اس میں عرفان صدیقی نے فلیش بیک کی تکنیک کو اپنایا ہے۔ اور اس سے حاصل ہونے والے مقاصد میں وہ کامیاب رہے عرفان صدیقی کے ڈراموں کی انفرادیت اوراہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کے ڈراموں میں رومان کی چاشنی بھی ہے اور حقائق کی تلخی بھی ہے۔ سلگتے ہوئے جذبات اور احساسات کے ساتھ ساتھ خود غرضی کا لبادہ اوڑھے ہوئے کچھ کردار بھی ہیں۔ جن کے لئے اپنی ذات ہر ایک چیز سے مقدم ہے۔ عرفان صدیقی کے ڈراموں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ گویا یہ جگ بیتی کہ ساتھ ساتھ آپ بیتی بھی ہوں عرفان صدیقی کے ڈراموں کے موضوعات گہرے مشاہدے اور باریک بین نظر کے عکاس ہیں۔ ان کے ڈراموں کا پلاٹ بہت شاندار ہے۔ عرفان صدیقی کا انداز تحریر اپنے اندر ایک کشش لیے ہوئے ہے۔

"اسلوب سے مراد یہ ہے کہ کسی بات کو بلیغ انداز میں اس طرح سے پیش کرنا کہ وہ سارے مسائل
بروئے کارا جائیں جس سے بات موثر حسین بنتی ہے ادبی اسلوب کسی ادیب یا انشاء پرداز کا منفرد
انداز تحریر ہے جو اسے اس کے ہم عصر ادیبوں سے ممتاز کرتا ہے یہ غیر معمولی طرز تحریر ہر شخص

کو حاصل نہیں ہو تا صرف خاص شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کا طرز تحریر ان کی شخصیت کے لئے
ہوئے ہو تا ہے دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ فلاں کی تحریر کا انداز ہے۔ اسلوب کا موضوع اور خیال سے
گہرا تعلق ہے اور موضوع اپنا اسلوب اپنے ساتھ لاتا ہے"(۸)

عرفان صدیقی کے ڈراموں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ان کے انداز تحریر میں قدرتی بہاؤ اور فطرتی روانی کے ساتھ ساتھ گہرے طنز کی کاٹ بھی نظر آتی ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود عرفان صدیقی کی زبان صاف سادہ شاعرانہ لطافت اور بے ساختگی لیے ہوئے ہے۔ ان کا طرز تحریر اپنے اندر ایک منفرد انداز لئے ہوئے ہے۔

رات کا ماحول بادلوں کی گھن گرج کتے کے بھونکنے کی آواز۔۔۔۔ تیز طوفانی ہوائیں بارش یہ اجزا فضا کو خوفناک اور پُر اسرار بناتے ہیں۔ فکر مندی کی گہری پر چھائیاں ان پر محیط ہیں۔ علامتوں کے لحاظ سے ان کے ہاں ایک کردار، کردار بھی ہے۔ اور علامت بھی، دینو، جنت چاندنی، فضلاں، سنہری کبوتر، یہ سب علامتیں ہیں۔ عرفان صدیقی نے انہیں تمثیلی انداز میں بر محل اور خوبصورتی سے استعمال کیا۔ جس میں ایک نیا پن ندرت تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا ہے۔ لیکن کہیں بھی ان کی زبان میں سطحیت لغویت نظر نہیں آئے گی بلکہ بڑی مہذب زبان استعمال کی ہے۔ کسی مصنف کی کامیابی کا سب سے بڑا راز اس کا اسلوب اور طرز تحریر ہے کچھ مکالمے پیش خدمت ہیں ۔

بھید بھری آواز میں بڑے کی روح کے الفاظ

"آواز۔ سنہری کبوتروں سے دل نہ لگاؤ من میلے نہ کرو ورنہ پتھر ہو جاؤ گے پتھر ہو جاؤ گے پتھر ہو
جاؤ گے"

"شیدا کہتا ہے
نہیں یاروں پتھر وہ ہوتے ہیں جو اپنی بستی کی خوشبو بھول جاتے ہیں" (۹)

یہاں خوشبو انسانیت اور آدمیت کا استعارا ہے ۔

" یہ کہانی ختم ہوئی" میں بابا کہتا ہے
"بڑا ظالم ہو تا ہے یہ اندھیرا ابھی آوازوں کے چہرے بھی دھندلا جاتے ہیں" (۱۰)

"یہ کہانی ختم ہوئی" میں ندیم اپنی امی سے مخاطب ہے
"زندگی کا ایک ایک لمحہ سمجھوتوں اور مصلحتوں کے ڈور سے بندھا ہے زندہ رہنے کے لیے اپنی میت اپنے کندھوں پر
اٹھائے پھرنا کیوں ضروری ہے"(۱۱)

" خاموش آوازیں" ابو کا مکالمہ جب بیٹی کہتی ہے
"ابو آج کل پیسے نہ ہوں تو آدمی کی کوئی قیمت نہیں رہتی

ابو کیا ہر آدمی اپنی قیمت اپنی جیب میں لئے پھرتا ہے "(۱۲)

"چابی کے کھلونے" میں ندیم کا مکالمہ

"ہر وہ خوبصورت آرزو جو حقیقت نہیں بن سکتی، چپکے سے خوابوں کے جھروکوں میں آ بیٹھتی ہے اور انسان کی سوچوں سے آنکھ مچولی کھیلتی رہتی ہے "(۱۳)

"پلپار" میں دینو کے الفاظ :

"نہیں _ جنتے . . . بھیڑ بکریوں کے کٹے ہوئے بازو اور ٹانگیں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے میرے اندر کی آگ پر چھینٹا سا پڑ گیا ہو بارش کا۔۔۔ گلیوں دیواروں پر خون کے دھبے اور چھینٹے دیکھ کر میرا سیروں خون بڑھ جاتا ہے۔۔ " (۱۴)

اسی ڈرامے میں ایک اور جگہ خدا بخش ماسی کے یہ کہنے پر توبہ توبہ اس موذی کو پکڑنے میں پورے دو سال لگ گئے کہتا ہے

"خدا بخش__ بستی کے بھیڑیے جنگل کے بھیڑیوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں__ رحمتے پکڑوآئی ہی نہیں دیتے"(۱۵)

"فاصلوں کے درمیان" میں سلطان اپنے دوست چراغ دین سے کہتا ہے:

"سلطان (اوے) چراغ دین میں سمجھا تھا ہمارے درمیان چالیس سالوں کی لمبی مسافت حائل ہو گئی ہے۔ لیکن نہیں چراغ دین اور سلطان خان سے __ نجمہ اور سلیم تک ایک ہی کہانی چل رہی ہے۔ اب تو فاصلوں کے درمیان کوئی فاصلہ ہی نہیں رہا "(۱۶)

"چابی کے کھلونے" میں ندیم اور سعدیہ کا مکالمہ:

"سعدیہ تمہارے ساتھ چلتے چلتے تو میں قیامت تک نہ تھکوں گی۔ ندیم میں صرف یہ میں چاہتی ہوں کہ ڈوبتے سورج میں جھانک کر لمحے بھر کے لیے ان شاموں کو آواز دوں، جو سنہری مستقبل کے سورج تراشتے گزری ہیں" (۱۷)

"ریشم کا پیوند" میں سہیل کا مکالمہ :

"مجھے یہ تو معلوم نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ بر تھا میرے اندر کے سارے موسم تمہارے ماتھے سے پھوٹتے ہیں۔" (۱۸)

ایک اور جگہ سہیل راحیلہ سے جو کہتا ہے:

"راحیلہ__ میں سوچ سوچ کر پاگل ہو گیا ہوں۔۔۔ زندگی کی ڈور الجھتی جا رہی ہے۔۔۔ مشرق اور مغرب کا فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے__ شاید تم میری یہ بات نہ سمجھ سکو__ لیکن یقین جانو__ مجھے یوں

لگتا ہے جیسے تنی ہوئی رسی پر چل رہا ہوں_ میرے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے___ چیختا چنگھاڑ تا اندھیرا کچھ سجھائی نہیں دیتا کچھ سجھائی نہیں دیتا "(۱۹)

"یہ کہانی ختم ہوئی" میں پروفیسر نظامی کا مکالمہ:

"بابا__ طنزیہ ہنسی (خود کلامی) تم دونوں ایک دوسرے کو پہچان کر بھی اجنبی بن گئے__ میں جانتا ہوں میرے بچو__ یہ اجنبیت آشنائی کا سب سے اونچا سب سے ارفع مقام ہے____ لیکن شکر ہے تم دونوں نے پروفیسر نظامی کو نہیں پہچانا__ (میوزک) وہ تو آج بھی اپنی کھوئی ہوئی محبت کی صلیب پر لٹکا، متوازی چلتی پٹڑیوں کو دیکھتا رہتا ہے___ اس کی کہانی ابھی تک ادھوری ہے__ لیکن تم نے برسوں کی آشنائی کو اجنبیت کے کفن میں لپیٹ کر اپنی بلندیوں کو پالیا ہے___ تمہاری کہانی یقیناً ختم ہو گئی ہے "(۲۰)

"خوشبو کا حصار" میں کریم بخش زینت سے کہتا ہے:

(جذباتی انداز میں) جہاں تم جیسی بہادر بیٹیاں موجود ہوں__ جہاں کے لوگوں کے دل میں اپنے دین اور اپنی زمین___ کی محبت رچی بسی ہو وہاں کے پشتے فولاد سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں__ بیٹی یہ مٹی گارے کی دیواریں نہیں ہیں۔ بیٹی_ یہ محبت اتفاق اور یکجہتی کی فصیل ہے یہ خوشبو کا حصار ہے_ اس حصار کو قیامت تک کوئی نہیں توڑ سکتا "(۲۱)

ڈرامہ "پہچان" میں پروفیسر کے الفاظ:

"آج میں اپنی کتاب کا آخری صفحہ لکھوں گا۔ پراسرار کمرے کا پراسرار آئینہ توڑ دوں گا___ میں نے دیکھ لیا ہے یہ سب چہروں میں ایک ہی چہرے کا عکس ہیں۔ سب پھولوں میں ایک ہی خوشبو ہے_ اس سرزمین سے محبت ہماری پہچان ہے__ سب نفرتیں سب دشمنیاں اس پہچان کے نیچے دفن ہو جاتی ہیں__ آج میں اپنی کتاب کے خالی صفحہ پر لکھوں گا_ محمد رشید کے نام__ جو میرے وطن کی پہچان ہے "(۲۲)

"ایک تھا بادشاہ" میں یزدانی کے الفاظ:

"یوں لگتا ہے جیسے گھوڑے دوڑ رہے ہوں__ تلواریں ٹکرا رہی ہوں۔۔۔۔۔ جیسے کسی نے حملہ کر دیا ہو یزدانی ہاؤس پر۔۔۔۔ جیسے کسی نے میرا تخت و تاج سب کچھ چھین لیا ہو۔۔۔۔۔
امی_ یہ سب کام کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔۔۔۔ آپ ڈاکٹر سے ملیں کل۔۔۔۔۔
یزدانی (طنزیہ ہنسی) نہیں بیگم ۔۔۔ یہ لشکر ٹلنے والا نہیں ہے۔۔۔۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کی گردنیں جھکا چکا ہے یہ۔۔۔۔" (۲۳)

عرفان صدیقی نے ڈرامے کے واقعات کردار اور ان کے مکالموں کو ایک دوسرے سے اس طرح سے مربوط کیا ہے کہ یہ سب کردار واقعات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ان میں ایک ذہنی کشمکش بھی ساتھ ساتھ چلتی ہے جس سے وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتا ہے عرفان صدیقی نے مکالمے ہر کردار کی مناسبت سے اور مخصوص انداز میں لکھے ہیں بعض مقامات پر ایسے بھی فقرے موجود ہیں جن میں شدت کے علاوہ حکمت دانائی بھی نظر آتا ہے ان کے ڈرامے خوبصورت اور حقیقت سے قریب تر ہیں۔

مرزا ادیب لکھتے ہیں:

"عرفان صدیقی نے ڈرامے کے واقعات مربوط کرنے اور کرداروں کے واقعات کے ساتھ آگے بڑھانے میں اپنے اسلوب سے خاص کام لیا ہے مکالمے بھی مناسب اور ہر کردار کے مخصوص کردار کے مطابق لکھے ہیں اور بعض مقامات پر ایسے فقرے استعمال کیے ہیں جن میں شدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے شعریت کے علاوہ حکمت دانائی اور گہرا مشاہدہ بھی ہے"(۲۴)

ایک اچھا مصنف اپنے کرداروں کی خارجی حالت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی داخلی کیفیات کو بھی مد نظر رکھتا ہے چونکہ انسان جو کچھ خارج میں حاصل کرتا ہے وہی اس کی داخل کی دنیا کو تعمیر کرتا ہے اور یہی خارجی اور داخلی عوامل مل کر انسان کی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں اور انسان جو کچھ سوچتا ہے کہ اسے صفحہ قرطاس پر رقم کر دیتا ہے ایسا ممکن ہی نہیں کہ انسان جو کچھ محسوس کرے وہ اس کے الفاظ سے ظاہر نہ ہو عرفان صدیقی اپنے ڈراموں کے بارے میں رائے دیتے ہوئے خود اعتراف کرتے ہیں۔

"میرے ڈراموں کی اکثر کہانیاں کرداروں کی ذہنی یا نفسیاتی کشمکش کے گرد گھومتی ہیں۔ اسی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ یہ کہانیاں خارجی واقعات کے بہاؤ سے کم انسان کے داخلی فکری ارتقا یا تضادات سے زیادہ پھوٹتی ہیں_ اس کی تکنیکی خصوصیت کے ساتھ ساتھ موضوعاتی اعتبار سے بھی میں نے کچھ نئی جہتیں نکالی ہیں"(۲۵)

عرفان صدیقی ستر کی دہائی میں ابھر کے سامنے آنے والے نمایاں ریڈیو ڈراما نگاروں میں سے ہیں انہوں نے اپنے ڈراموں میں نئے رجحانات روشناس کرائے ان کے ڈراموں کے موضوعات ہمارے معاشرے میں ہونے والے ظلم و جبر استحصال معاشی ناہمواریوں افراتفری نفسانفسی کے خلاف مزاحمت کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔رفیع الدین،ہاشمی،ڈاکٹر،اصناف ادب،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۲،ص۱۴۲

۲۔عرفان الحق،صدیقی،بھید بھری آواز،فلیپ مرزا ادیب،لاہور:جیم پرنٹرز،۱۹۸۸

۳۔نزہیت سیما،عرفان صدیقی کی ڈراما نگاری،بحوالہ بھری آواز،غیر مطبوعہ،قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد:ص۱۰۶

۴۔نزہیت سیما،عرفان صدیقی کی ڈراما نگاری،بحوالہ بھری آواز،غیر مطبوعہ،قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد:ص۶۰

۵۔نزہیت سیما،عرفان صدیقی کی ڈراما نگاری،بحوالہ بھری آواز،غیر مطبوعہ،قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد: ص۶۰

۶۔عرفان الحق،صدیقی،بھید بھری آواز،مرزا ادیب،لاہور:جیم پرنٹرز،۱۹۸۸ص۴۱

۷۔عرفان الحق،صدیقی،بھید بھری آواز،مرزا ادیب،لاہور:جیم پرنٹرز،۱۹۸۸ص۶۱

۸۔نزہیت سیما،عرفان صدیقی کی ڈراما نگاری،بحوالہ بھری آواز،غیر مطبوعہ،قائد اعظم یونیورسٹی اسلام: آباد ص۶۰

۹۔عرفان الحق،صدیقی،بھید بھری آواز،مرزا ادیب،لاہور:جیم پرنٹرز،۱۹۸۸ ص۱۷

۱۰۔عرفان الحق،صدیقی،بھید بھری آواز،مرزا ادیب،لاہور:جیم پرنٹرز،۱۹۸۸ ص۱۶۳

۱۱۔عرفان الحق،صدیقی،بھید بھری آواز،مرزا ادیب،لاہور:جیم پرنٹرز،۱۹۸۸ ص۱۶۹

۱۲۔نزہیت سیما،عرفان صدیقی کی ڈراما نگاری،بحوالہ بھری آواز،غیر مطبوعہ،قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد:ص۸۸

۱۳۔عرفان الحق صدیقی بھید بھری آواز مرزا ادیب،لاہور:جیم پرنٹرز۱۹۸۸ص۷۵

۱۴۔ایضاً،ص۸۱

۱۵۔ایضاً،ص۱۰۳

۱۶۔ایضاً،ص۱۲۰

۱۷۔ایضاً،ص۱۴۵

۱۸۔ایضاً،ص۱۴۵

۱۹۔ایضاً،ص۱۵۵

۲۰۔ایضاً،ص۱۹۰

۲۱۔ایضاً،ص۲۱۹

۲۲۔ایضاً،ص۲۴۴

۲۳۔ایضاً،ص۲۷۰

۲۴۔ عرفان الحق، صدیقی، بھید بھری آواز،فلیپ مرزا ادیب،لاہور: جیم پرنٹرز،۱۹۸۸
۲۵۔ نزہت سیما، عرفان صدیقی کی ڈراما نگاری،بحوالہ بھری آواز، غیر مطبوعہ، قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد:۲۰۰۰ص۵۸